© rasailojaraid.com

حکیم محمود احمد ظفر

حصولِ علم کے ذرائع

ایک انسان کو علم کن کن ذرائع سے حاصل ہوتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں :

(۱) ایک وہ علم جو بلا واسطہ حاصل ہوتا ہے۔

(۲) دوسرا وہ علم جو کسی واسطہ سے حاصل ہوتا ہے

وہ علم جو کسی واسطہ کے بغیر حاصل ہوتا ہے، اس کی تین قسمیں ہیں :

(۱) وجدان :۔ انسان کے اپنے انسانی وجود اور اس کی اندرونی کیفیات کا علم جیسے بھوک، پیاس، غم، خوشی اور بیماری و صحت کا علم۔

(۲) فطرت : فطرت کو اہلِ فلسفہ کی اصلاح میں " جبلّت" کہتے ہیں اور بعض علماء اس کو فطری یا نوعی الہام کے نام سے بھی پکارتے ہیں۔ اس سے مراد وہ علم ہے جو اللہ جلّ شانہٗ نے ہر نوع میں اس کی نوعی خصوصیات کے تحت کسی ذریعہ اور واسطہ کے بغیر از خود رکھا ہوتا ہے جیسے حیوانات کو اپنے متعلق بہت سی باتوں کا علم از خود ہو جاتا ہے جو فطرت نے ان میں ودیعت کی ہوتی ہیں۔ پرندوں کا دانہ چگنا، مچھلی کے بچے کو تیرنے کی تعلیم، سانپ کے بچے کو ڈسنے کا علم اور شیر کے بچے کو زندگی کے طور طریق اسی علم فطرت ہی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی اصطلاح میں اس علم کو " ہدایتِ وجدان" کہتے ہیں۔ چنانچہ مولانا اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

" وجدان کی ہدایت یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر مخلوق کی طبیعت میں کوئی ایسا اندرونی الہام موجود ہے جو اسے زندگی اور پرورش کی راہوں پر خود بخود لگا دیتا ہے اور وہ باہر کی رہنمائی اور تعلیم کی محتاج نہیں ہوتی۔ انسان کا بچّہ ہو یا حیوان کا، جونہی شکمِ مادر سے باہر آتا ہے خود بخود معلوم کر لیتا ہے کہ اس کی غذا ماں کے سینے میں ہے اور جب پستان منہ میں لیتا ہے تو جانتا ہے کہ اسے زور زور سے چوسنا چاہیے۔ بلّی کے بچّوں کو ہم ہمیشہ دیکھتے ہیں کہ ابھی ابھی پیدا ہوئے ہیں اور ان کی آنکھیں بھی نہیں کھلی ہیں لیکن ماں جوشِ محبت میں انہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چاٹ رہی ہے، وہ اُس کے سینے پر مُنہ مار رہے ہیں۔ یہ بچّہ جس نے عالمِ ہستی میں ابھی ابھی قدم رکھا ہے، جسے خارج کے مؤثرات نے چھُوا تک نہیں، کس طرح معلوم کر لیتا ہے کہ اُسے پستان منہ میں لے لینا چاہیے اور اُس کی غذا کا سرچشمہ یہیں ہے؟ وہ کونسا فرشتہ ہے جو اُس وقت اُس کے کان میں پھونک دیتا ہے کہ اس طرح اپنی غذا حاصل کرے۔ یقیناً وہ "وجدانی ہدایت" کا فرشتہ ہے اور یہی "وجدانی ہدایت" ہے جو قبل اس کے کہ حواس و ادراک کی روشنی نمودار ہو، ہر مخلوق کو اس کی پرورش و زندگی کی راہوں پر لگا دیتی ہے۔"

مولانا مرحوم اس کی مزید تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"تمہارے گھر میں پلی ہوئی بلی ضرور ہو گی۔ تم نے دیکھا ہو گا کہ بلی اپنی عمر میں پہلی مرتبہ حاملہ ہوئی ہے۔ اس حالت کا اُسے پچھلا تجربہ حاصل نہیں، تاہم اُس کے اندر کوئی چیز ہے جو اُسے بتا دیتی ہے کہ نیاری و حفاظت کی سرگرمیاں شروع کر دینی چاہییں۔ جونہی وضع حمل کا وقت قریب آتا ہے خود بخود اُس کی توجہ ہر چیز سے ہٹ جاتی ہے اور کسی محفوظ گوشے کی جستجو شروع کر دیتی ہے۔ تم نے دیکھا ہو گا کہ مضطر الحال بلی مکان کا ایک ایک کونہ دیکھتی پھرتی ہے۔ پھر وہ خود بخود ایک سب سے دُور اور علیحدہ گوشہ چھانٹ لیتی ہے اور وہاں بچہ دیتی ہے۔ پھر یکایک اُس کے اندر بچّے کی حفاظت کی طرف سے ایک مجہول خطرہ پیدا ہو جاتا ہے اور وہ یکے بعد دیگرے اپنی جگہ بدلتی رہتی ہے۔ غور کرو، یہ کونسی قوت ہے جو بلی کے اندر یہ خیال پیدا کر دیتی ہے کہ محفوظ جگہ تلاش کرے، کیونکہ عنقریب ایسی جگہ کی اُسے ضرورت ہو گی۔ یہ کون سا الہام ہے جو اُسے خبردار کر دیتا ہے کہ بلا بچوں کا دشمن اور اُن کی بُو سونگھتا پھرتا ہے، اس لیے جگہ بدلتے رہنا چاہیے۔ بلا شبہ یہ رُبوبیتِ الٰہی کی "وجدانی ہدایت" ہے جس کا الہام ہر مخلوق کے اندر اپنی نمود رکھتا ہے اور جو ان پر زندگی اور پرورش کی تمام راہیں کھول دیتا ہے۔"

(ترجمان القرآن جلد ا، ص ۴۴-۴۵)

(۳) بداہتِ اوّلیہ: نابالغیت اور غیر پختگی کی سرحدوں کو عبور کر کے انسان جب ہوش و تمیز کی وادی میں قدم رکھتا ہے تو اُسے بعض باتیں بلا دلیل، یا بادنیٰ تامل معلوم ہو جاتی ہیں۔ وہ ایسے کلیات ہوتے ہیں جن میں ترتیب مقدمات کے بعد نتیجہ نکالنے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ وہ بدیہی ہوتے ہیں۔ اور اُن میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہوتا۔ جیسے دو اور دو چار ہوتے ہیں یا ہر کام کا کوئی کرنے والا ہوتا ہے۔ اس علم کو "بداہتِ اوّلیہ" کہتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۲) دوسری قسم کا علم جو کسی ذریعہ اور واسطہ سے حاصل ہوتا ہے، اُس کی دو قسمیں ہیں:-

۱- علم بالاحساس

۲- علم بالعقل

(۱) احساس: جسم انسانی میں پانچ قسم کی قوتیں موجود ہیں۔

(۱) قوتِ سامعہ (۲) قوتِ باصرہ (۳) قوتِ شامّہ (۴) قوتِ ذائقہ (۵) قوتِ لامسہ

اہلِ فلسفہ کی اصطلاح میں ان کو "حواسِ خمسہ" کہتے ہیں، کیونکہ اس مادّی دنیا میں ساری چیزوں کے متعلق انہی پانچ حواس سے علم حاصل کیا جاتا ہے۔ کسی شے کو سُن کر معلوم کیا جا سکتا ہے تو کسی کو دیکھ کر۔ کسی کو سُونگھ کر تو کسی کو چکھ کر اور کسی کو چھُو کر۔ دنیا کی کوئی شے جو ان حواسِ خمسہ سے ٹکرائے گی، آدمی کا شعور اس کا احساس کرکے پتہ دیگا کہ یہ فلاں چیز ہے۔ گویا کہ یہ پانچ حواس بمنزلہ "معلّم" کے ہیں جو ہر آن آدمی کو علم بہم پہنچاتے رہتے ہیں۔

اس طریقہ سے حاصل کیا ہوا علم اکثر یقینی ہوتا ہے بشرطیکہ یہ پانچوں حواس یا قوتیں صحیح ہوں لیکن اگر ان میں ذرہ برابر بھی نقص یا سقم پیدا ہو جائے تو ان کا دریافت کیا ہوا علم بھی غلط ہو جاتا ہے۔ یرقان زدہ آنکھ کبھی بھی صحیح رنگ نہیں پہچان سکتی اور صفرا زدہ زبان میٹھی اور شیریں چیز کو بھی کڑوا اور تلخ ہی محسوس کرتی ہے۔ بہرہ کان آواز کے پہچاننے میں اکثر غلطی کرتا ہے۔ قوتِ شامّہ کی کمزوری مونیا اور گلاب کی خوشبو میں فرق نہیں کر سکتی۔ اور رات کی تاریکی میں ہاتھ سے بخوبی ٹٹولنے سے بھی سانپ اور مچھلی کے درمیان فرق نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا علم بالاحساس اتنا یقینی نہیں ہوتا کہ اس پر اعتماد کرکے قطعیات اور یقینیات کو جھٹلایا جا سکے۔

(۲) عقل: علم بالواسطہ کی دوسری قسم "علم بالعقل" ہے یعنی وہ علم جس کو ہم اپنی عقل و قیاس، غور و فکر اور استدلال سے حاصل کرتے ہیں۔ اس علم کی بنیاد دراصل اُن معلومات پر ہوتی ہے جن کو ہم علم کی پہلی چار قسموں، وجدان، فطرت، بداہت اوّلیہ اور احساس سے فراہم کرتے ہیں۔ اور ایک انسان ان ذرائع علم سے معلوم شدہ اُمور کو تمثیل یا قیاس و استقراء سے غیر معلوم شدہ امور، ان کی خصوصیات اور آثار معلوم کرتا ہے۔ فلسفہ اور عقل کے پُجاری اکثر اسی علم پر یقین رکھتے ہیں اور ان کا یقین اس پر اس قدر محکم ہوتا ہے کہ وہ قیاس و استقراء کے خلاف ہر چیز کا انکار کر دیتے ہیں۔ آج کل کے علومِ جدیدہ سے شُدبُد رکھنے والے لوگ دین کی منقولات کو اپنی ناقص عقل سے حاصل شدہ ناقص معلومات سے جھٹلانے کی ناکام کوشش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں لگے رہتے ہیں ۔ اور اپنی اس ناقص عقل کے بل بوتے پر وحیِ الٰہی سے حاصل شدہ علم کا بھی انکار کر بیٹھتے ہیں، حالانکہ عقل سے حاصل شدہ علم غلط بھی ہو سکتا ہے اور صحیح بھی ۔ کیونکہ ہر انسان کی عقل مختلف ہے ۔ کسی کی سقیم، کسی کی صحیح، کسی کی زیادہ ناقص اور کسی کی کم ناقص ۔ لہٰذا عقل سے حاصل شدہ علم بھی مختلف ہوتا ہے ۔ پھر قیاس و استقراء کے لیے ترتیبِ مقدمات ہر آدمی کے بس کا روگ نہیں، لہٰذا نتیجہ یقینی نہیں کہ صحیح ہی ہو ۔ پھر وہ غیر معلوم امر جس پر معلوم اُمور کے ذریعہ حکم لگایا جاتا ہے، اگر مادّی ہے تو نتیجہ اکثر صحیح ہوتا ہے لیکن کبھی غلط بھی ہو جاتا ہے جبکہ جزئیات کا استقراء پُورا نہ کیا گیا ہو یا تمثیل تام نہ ہو، یا تجربہ اور مشاہدہ نے دھوکہ دیا ہو، یا کوئی اور اصولی یا بنیادی غلطی ہو گئی ہو ۔ طبیعیات اور سائنس کے مسائل اکثر اسی طرح معلوم کیے گئے ہیں ۔ لیکن اگر وہ امر غیر معلوم غیر مادّی ہے تو نتیجہ یقینی نہیں ہوتا بلکہ اس کی حیثیت ظن و تخمین کی ہوتی ہے ۔ مابعد الطبیعیات اور فلسفہ الٰہیات کے مسائل استدلال کے اسی طریقہ سے حاصل ہوتے ہیں، اس لیے ان میں بہت اختلاف ہوتا ہے، کیونکہ غور و فکر، بحث و نظر اور ترتیبِ مقدّمات جو اس قیاس عقلی کے کارکن ہوتے ہیں اپنے کام میں دھوکہ کھا سکتے ہیں ۔

عقل کی فضیلت علم کے اس ذریعہ کی آجکل لوگوں کے ہاں بہت اہمیّت ہے یہاں تک کہ عقل کے زور سے منقولاتِ شرعیہ کا بھی انکار کرنے سے نہیں چوکتے، لہٰذا مناسب معلوم ہوتا کہ اجمالی طور پر عقل کے متعلق کچھ بیان کر دیا جاتے تاکہ عقل کے پُجاریوں کو اس کی حقیقت کا علم ہو ۔

قرآنِ حکیم میں ہے :

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ " بیشک اس میں البتہ نصیحت ہے اُس شخص کے لیے جس کا دل ہو یا وہ کان لگا کر سُنے اور وہ دل سے حاضر ہو، یعنی متوجہ ہو "

اس آیت میں " قلب " سے مُراد " عقل " ہے اور مطلب اس کا یہ ہے کہ یہ قرآنِ حکیم نصیحت ہے اُس شخص کے لیے جس میں عقل ہو اور وہ اس عقل سے کام لے کر اُس کو توجہ سے سنے اور غور کرے ۔ اس مقام پر اللہ رب العزت نے " عقل " کو مقامِ مدح میں ذکر فرمایا ہے ۔ سورۂ مُلک میں کُفّار کا مقولہ نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ قیامت کے روز کہیں گے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْ اَصْحَابِ السَّعِيْرِ۔

یعنی اگر ہم سنتے یا عقل سے کام لیتے تو اہلِ جہنم میں سے نہ ہوتے۔"

معلوم ہوا کہ عقل سے کام لینا اصحابِ جنت اور مومنین کا خاصہ ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی آیات پر غور وفکر کرکے اور اُن پر ایمان لانے والوں کو "اولوالالباب" یعنی سمجھدار اور عقل سے کام لینے والے لوگ کہا گیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں فہم وفراست، علم وحکمت، غور وفکر، حق تعالیٰ کی معرفت، اُس کی خشیت، محبت اور اطاعت وغیرہ ان تمام فضائل وکمالات کا سرچشمہ عقل ہی تو ہے۔

ایک حدیث میں جنابِ رسالتمآب علیہ الصلوات والتحیات نے عقل کے متعلق بیان فرمایا:

اول ما خلق العقل، فقال له اقبل فاقبل ثم قال له ادبر فادبر ثم قال وعزتی وجلالی ما خلقت خلقا اعز منك بك اخذ وبك اعطی۔

قال العراقی روی هذا من حدیث امامة وعائشة وابی هریرة وابن عباس والحسن وعدة من الصحابة۔ (کذا فی الاتحاف جلد ا ص ۴۵۳)

یعنی اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے عقل کو پیدا فرمایا اور اُس سے فرمایا "اَقْبِل" یعنی سامنے کھڑی ہو وہ سامنے کھڑی ہوئی۔ پھر فرمایا "اَدْبِر" یعنی پیٹھ پھیر لے، اُس نے پیٹھ پھیر لی۔ پھر حق تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے عزت اور جلال کی قسم میں نے تجھ سے زیادہ باعزت کوئی مخلوق پیدا نہیں کی۔ تیری ہی وجہ سے میں لوگوں سے مؤاخذہ کروں گا اور تیری ہی وجہ سے عطا اور بخشش دوں گا۔"

معلوم ہوا کہ نیک کام کرنے والوں کو اجر اور ثواب بھی عقل کی وجہ سے ملتا ہے اور گناہوں کی سزا بھی عقل کی وجہ سے ملتی ہے۔

شیخ نجم الدین قدس سرہٗ نے اس حدیث کا مطلب بیان فرماتے ہوئے لکھا ہے:

"اس جگہ ایک تکوینی اور تقدیری مسئلہ کا بیان کرنا مقصود ہے۔ قیامت کے روز انسانوں کے دو گروہ ہوں۔ ایک اصحاب الیمین کا اور ایک اصحاب الشمال کا۔ جن لوگوں کے اعمال نیک ہوں گے اُن کے نامۂ اعمال اُن کو داہنی طرف سے دیئے جائیں گے۔ اس لیے اُن کا لقب "اصحاب الیمین" یعنی داہنی طرف والے ہوگا۔ اور جو لوگ نافرمان ہوں گے اُن کے نامۂ اعمال اُن کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بائیں جانب سے دیئے جائیں گے۔ اور وہ "اصحاب الشمال" یعنی بائیں جانب والے کہلائیں گے۔ دراصل قضا وقدر میں یہ بات طے پا چکی تھی کہ کچھ لوگ نافرمان ہوں گے اور کچھ فرماں بردار ہوں گے اور یہ فرمانبرداری اور نافرمانی عقل کی وجہ سے ہوگی۔ اس لیے ان دونوں قسموں کو ظاہر کرنے کے لیے یہ ماجرا بنایا گیا کہ کچھ عقلیں خدا کی طرف بڑھیں گی۔ کچھ دوڑ کر جو "السابقون السابقون میں داخل ہوں گے" سابقین کو سابقین اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ خدا کی طرف دوڑ کر جاتے ہیں۔ اور کچھ آہستہ رفتار سے خدا کی طرف بڑھیں گے۔ وہ "اصحاب الیمین" ہوں گے۔ اور کچھ خدا کی طرف سے پشت پھیر لیں گے۔ وہ "اصحاب الشمال" ہوں گے۔ اور حدیث میں یہ جو الفاظ ہیں "اَقبِل" اور "اَدبِر"۔ اس نقطے "اقبال" اور "ادبار" میں اشارہ ہے کہ جو عقل ہماری طرف متوجہ ہوگی وہ صاحب اقبال ہوگی اور جو ہماری طرف سے منہ پھیرے گی وہ صاحب ادبار ہوگی۔"

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ عقل کی فضیلت اور برتری تمام کائنات میں مسلّم ہے۔ چنانچہ اس عقل کی بدولت ایک کمزور اور ضعیف انسان اپنے سے طاقتور چیزوں کو اپنے تصرف میں لاتا ہے۔ چنانچہ یہ گائے، بھینس، ہاتھی، شیر اور دوسرے بڑے بڑے جانور نہ انسان کی جسامت اور ڈیل ڈول سے ڈر سکتے ہیں اور نہ ہی اس کی مار دھاڑ سے۔ یہ انسان کی عقل ہی کا کرشمہ ہے جو ان بڑے بڑے جانوروں کو اپنا مطیع و منقاد بناتے ہوئے ہے۔"

امام غزالیؒ مزید فرماتے ہیں:

"کہ عقل منبع ہے علوم وادراکات کا۔ منبع کے معنی سرچشمہ کے ہیں یعنی جس طرح چشمہ سے اہل حاجت سیراب ہوتے ہیں۔ اسی طرح عقل سے انسان علوم وکمالات حاصل کرتا ہے۔ اور عقل مطلع ہے انوار وبرکات کا۔ مطلع افقِ مشرق کو کہتے ہیں جس طرح افق سے آفتاب طلوع ہوتا ہے اور عالمِ دنیا کو منور کرتا ہے اسی طرح عقل بھی انوار وبرکات کا افق ہے۔ اور عقل اساس العلوم ہے یعنی علوم کی بنیاد ہے۔ اگر عقل نہیں تو نہ دنیا کی عمارت بنتی ہے اور نہ آخرت کی۔" (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو احیاء علوم الدین جلد اوّل ص۴۳-۸۷)

علّامہ ماوردیؒ نے بھی اپنی کتاب "ادب الدنیا والدین" ص۶ پر عقل کی فضیلت پر سیر حاصل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تبصرہ کیا ہے۔

عقل کی تعریف ان تمام حوالجات سے معلوم ہوتا ہے کہ عقل بڑی خوبی کی چیز ہے۔ یہ عقل ہی ہے جس کی وجہ سے اللہ رب العزت انسان کو مخاطب فرماتا ہے اور اُسے اپنے احکام کا مکلف بناتا ہے چوپایوں اور خالی از عقل لوگوں (مجنون) کو حق تعالیٰ مخاطب ہی نہیں فرماتے اور نہ اپنی شریعت کا مکلّف بناتے ہیں۔
اب دیکھنا یہ ہے کہ عقل کہتے کس کو ہیں۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

انه غریزة يتهياء بها ادراک العلوم النظرية وکانه نور يقذف فی القلب به يستعد لادراک الاشياء ۔ (الاتحاف جلد ۱ ص ۴۵۹)

"عقل ایک قوت غریزیہ ہے جس کی وجہ سے ایک انسان علومِ نظری کے ادراک کے قابل ہو جاتا ہے۔ گویا کہ وہ ایک نور ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دل میں ڈالا جاتا ہے اور وہ "قلب" چیزوں کے ادراک کے قابل ہو جاتا ہے"

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ عقل "آلۃ التمیز والادراک" یعنی دو چیزوں میں تمیز کرنے اور شناخت کرنے کا آلہ ہے۔

ایک تعریف قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ نے فرمائی ہے:

"اللہ تعالیٰ نے انسان میں جو حواسِ خمسہ ظاہری پیدا فرمائے ہیں، ان میں سر کی آنکھ ظاہری اشیاء کو دیکھنے کے لیے پیدا کی ہے اور ایک آنکھ اللہ تعالیٰ نے دل میں پیدا کی ہے جس سے حق و باطل کا فرق معلوم ہوتا ہے اور اسی دل کی آنکھ کو عقل کہتے ہیں"

بعض علماء کا بیان ہے کہ عقل کے معنی چونکہ روکنے کے ہیں۔ اسی لیے "عقال" رسی کو کہتے ہیں، کیونکہ وہ حرکت کرنے سے روکتی ہے، لہٰذا عقل کی تعریف یہ ہے کہ:

ما عقل الانسان عن السيّئات وحضّ القلب علی الحسنات

"جو انسان کو برائیوں سے باز رکھے اور دل کو اچھے کاموں پر اُبھارے"

(ملاحظہ ہو احیاء علوم الدین جلد اول)

عقل کی حقیقت عقل کی اس فضیلت اور تعریف کے بعد اب یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ کیا واقعی عقل کو یہ مقام حاصل ہے کہ اُس کے ذریعہ احکامِ شریعت کا انکار کیا جا سکے یا احکامِ شریعت کو عقل کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترازو میں تولا جا سکے، جیسا کہ آج کل کیا جاتا ہے۔

اگرچہ شریعتِ مطہرہ میں عقل کو ایک خاص مقام حاصل ہے اور قرآن و سنّت میں عقل مند لوگوں کی بہت تعریف آئی ہے لیکن ہر چیز کا ایک مقام ہوتا ہے۔ اس مقام سے اُس کو گرانا یا بڑھانا جائز نہیں، بلکہ ظلم ہے۔ لہٰذا عقل جس کی پرواز ایک خاص حد تک اُس سے عالمِ روحانیت کے عالمِ غائب کے مسائل کو تولنا خود عقل پر ظلم اور اپنی بے عقلی کا مظاہرہ کرنا ہے۔ چنانچہ علّامہ ابنِ خلدون فرماتے ہیں:

"عقل کی مثال اُس ترازو کی ہے جس سے سونا اور زیورات تولے جاتے ہیں۔ اگر اس ترازو سے سونے اور چاندی کا وزن معلوم کرنا چاہو تو صحیح وزن معلوم کیا جا سکتا لیکن اگر اس ترازو سے پہاڑوں کو تولنا چاہو تو یہ ناممکن اور محال ہے (بلکہ یہ اس ترازو کو توڑنے کے مترادف ہے)۔ اسی طرح عقل سے اس کے دائرہ کی چیزیں معلوم ہو سکتی ہیں لیکن اگر اس عقل سے اللہ رب العزت کی ذات، صفات اور عالمِ غیب اور عالمِ ملکوت کی چیزوں کو معلوم کرنا چاہو تو یہ ناممکن ہے۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عقل ہے ہی ایک بیکار اور فضول چیز۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ عقل عالمِ ملکوت اور عالمِ غیب کی چیزوں کی معرفت اور ادراک میں قاصر اور درماندہ ہے۔ لیکن یہ اپنے محدود دائرہ کی معلوم کرنے کی صحیح میزان ہے۔ اپنے دائرہ میں یہ بیکار نہیں۔ اپنے دائرہ سے باہر بیکار ہے۔ جیسے سونے اور چاندی کا وزن کرنے والی میزان اپنی حد میں صحیح میزان ہے۔ سونے اور چاندی کا وزن تو درست بتا سکتی ہے، لیکن اس سے پہاڑوں کا وزن کرنا حماقت اور بگلہ پن ہے۔"

اس سلسلہ میں دوسری چیز یہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ عقل "عالم" ہے "حاکم" نہیں۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ عقل کا کام یہ ہے کہ جو احکام اللہ رب العزت کی طرف سے مخلوق کی طرف آئیں اُن کو سمجھنے کی کوشش کرے اور اُن کا ادراک کرنے کی کوشش کرے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ یہ حکم لگائے کہ فلاں کام کرنے کے قابل ہے اور فلاں کام کرنے کے قابل نہیں ہے۔ یعنی حکم دینا اس کا منصب نہیں بلکہ حکم کی تعمیل کرنا اس کا منصب ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ دین کے معاملہ میں اگر ہر شخص کی عقل کو معیار مان لیا جائے اور ہر شخص اس بات کا مدّعی ہو کہ جو کچھ میری سمجھ اور عقل میں آئے گا وہ قابلِ عمل ہے اور اس کے علاوہ سب خلافِ عقل ہے تو اس صورت میں دنیا کا کوئی نظام نہیں چل سکتا۔ اس لئے کہ اس دنیا میں ایک گروہ ایسا ہے جو خدا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی وحدانیت کا قائل ہے اور دوسرا گروہ سرے سے خدا ہی کا انکار کرتا ہے۔ اور تیسرا گروہ تین خداؤں کو مانتا ہے اور چوتھا گروہ قریباً ہر شے کو خدا مانتا ہے۔ اب اگر سب باطل پرست یہ کہیں کہ صاحب ہماری عقل میں تو یہی صحیح ہے تو آپ کیسے تمام اضداد و نقائص کو صحیح مان لیں گے۔ پس اگر ہر شخص کی عقل حجّت ہو تو دنیا میں اجتماعِ نقیضین لازم آئے گا جو تمام عقلاء کے نزدیک محال ہے۔

چوتھی چیز یہ ہے کہ یہ قضیہ تو درست ہے کہ عقل حجت ہے لیکن کس کی عقل حجّت ہے؟ کیا ہر شخص کی عقل حُجّت ہے؟ ہر شخص کی عقل تو کسی صورت حُجّت نہیں ہو سکتی، کیونکہ دنیا میں کوئی شخص زیادہ عاقل ہے اور کوئی کم عاقل، کسی کی عقل درست اور کسی کی بیمار۔ چنانچہ دنیوی علوم میں بھی یہ چیز مشاہدہ میں آتی ہے کہ جیومیٹری کی ایک شکل ایک ماہرِ اقلیدس کی عقل میں تو آسکتی ہے لیکن ایک دیہاتی اور گنوار کی عقل میں نہیں آسکتی۔ علم الہندسہ کا ایک مسئلہ ایک مہندس کی عقل میں تو آجاتا ہے لیکن ایک ڈاکٹر اس کو سمجھنے سے یک قلم قاصر ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ عقل صرف وہ حجت ہے جو بیماریوں اور آلائشوں سے پاک اور مبرّا ہو۔

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ اللہ رب العزت نے جس طرح ایک ظاہری آنکھ بنائی ہے جس سے انسان باہر کی اشیاء کو دیکھتا ہے۔ اسی طرح ایک دل اور باطن کی آنکھ بنائی ہے جس سے انسان نیک و بد کا امتیاز کرتا ہے۔ اسی باطنی آنکھ کو عقل کہتے ہیں۔ اب ہمارا مشاہدہ ہے کہ جس طرح انسانوں کی ظاہری آنکھیں مختلف اور متفاوت ہیں یعنی کسی کی نگاہ دُور بین ہے اور کسی کی قریب بین۔ کوئی کانا ہے اور کوئی بھینگا۔ اسی طرح دل کی آنکھ (عقل) بھی ہر ایک کی مختلف اور متفاوت ہے۔

اس چیز کو ایک مثال سے سمجھیے کہ انتیس کا چاند قوی البصر لوگوں کو تو نظر آجاتا ہے لیکن جس شخص کی نگاہ کمزور ہو اُس کو نگاہ کی کمزوری کی وجہ سے نظر نہیں آتا۔ اب اگر وہ یوں کہنے لگے کہ چونکہ مجھ کو چاند نظر نہیں آیا اس لیے مَیں نہیں مانتا کہ چاند ہوا ہے تو اس سے یہی کہا جائے گا کہ تیری نگاہ ہی کمزور ہے اس لیے تجھ کو چاند نظر نہیں آرہا۔ اسی طرح اگر اللہ رب العزّت کا کوئی حکم آپ کی بیمار عقل میں نہیں آرہا تو وہ آپ کی عقل کا قصور ہے، نورِ ماہتاب کا کوئی قصور نہیں۔ اور یہ تو خداوند قدوس کے احکام ہیں۔ دنیا کے حُکّام کی طرف سے اگر کوئی حکم صادر ہو تو اُس کے متعلق تو آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ چونکہ میری عقل میں یہ حکم نہیں آیا لہٰذا مَیں اس کو نہیں مانتا۔ اس کے جواب میں یہی کہا جائے گا کہ خواہ اس حکم کی لِم اور وجہ آپ کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے، آپ کو اسے ماننا ہی پڑے گا۔ اور اگر آپ نئے ہاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ تقریر کرنا شروع کر دی کہ صاحب آخر خدا نے ہمیں عقل دی ہے۔ ہم کو اس سے کام لینا چاہیے، یہ کوئی بیکار چیز تو نہیں، تو آپ کی دلیل ہرگز نہیں مانی جائے گی اور بہت ممکن ہے بلکہ یقینی امر ہے کہ آپ کو جیل کی ہوا کھانی پڑے۔

جب دنیا کے احکام کے بارہ میں ہماری یہ کٹ حُجّتی کوئی وزن نہیں رکھتی تو کیا وجہ ہے کہ دین کے بارہ میں اس قسم کی بے وزن دلیلوں کا سہارا لیا جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ذہن میں دنیوی احکام کی تو عزت اور وقعت ہے لیکن دینی احکام کی کوئی وقعت نہیں۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا۔

اِس بحث کو ایک اور طریقہ سے سمجھنے کی کوشش کریں:

(۱) پہلی بات یہ ذہن میں رکھیں کہ دنیا کی عقلیں مختلف ہیں۔

(۲) دوسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو عقل دی ہے اور اُس کے ساتھ قدرت بھی دی ہے جس کے ذریعے ہم وہ کام کر لیتے ہیں جو ہماری عقل میں آتا ہے۔

(۳) تیسری بات یہ کہ حق تعالیٰ نے انسان کو جہاں عقل کی نعمت سے نوازا ہے وہاں اُس کے ساتھ نفس اور شہوتوں کو بھی پیدا فرمایا:

(۴) چوتھی بات یہ کہ عقل کے ساتھ انسان میں قوتِ واہمہ بھی پیدا فرمائی ہے۔

اب جن کاموں کے کرنے کو عقل کہتی ہے، نفس ان کے کرنے سے انکار کرتا ہے۔ اور نفس جن باتوں کو چاہتا ہے ان کو عقل قبول نہیں کرتی۔ عقل کو ایک کشمکش تو نفس کے ساتھ ہے اور دوسری کشمکش قوت واہمہ کے ساتھ ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھیے جیسے ایک مکان میں ایک مُردہ پڑا ہوا ہو تو انسان اُس کے پاس رات کو نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ اس کی قوتِ واہمہ یہ کہتی ہے کہ ممکن ہے آدھی رات کو یہ اُٹھ کر مجھ پر حملہ کر دے اور عقل کہتی ہے کہ وہ مُردہ ہے، بے جان ہے، بے حس و حرکت ہے، یہ بالکل زندہ نہیں ہو سکتا، لہٰذا اس سے کسی قسم کا کوئی ڈر نہیں رکھنا چاہیے۔ لیکن وہم برابر اس کا مقابلہ کرتا رہتا ہے اور انسان کو اس سے ڈرنے کی تلقین کرتا رہتا ہے۔ اب آدمی حیران ہے کہ کیا کرے۔ پھر اس کے ساتھ ایک اور قوت یعنی قوتِ غضبیہ بھی لگی ہوتی ہے۔ جب کوئی بات انسان کی مرضی اور اُس کی منشا کے خلاف ہو تو اسی قوت کی وجہ سے وہ فوراً مرنے مارنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ سو ایک کشمکش عقل کی قوتِ غضبیہ کے ساتھ ہے

پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ دنیا میں انسانوں کی جتنی اغراض ہیں ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اس میں انسان ہمیشہ اپنے ہی فائدہ کا پہلو تلاش کرتا ہے، حالانکہ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ انصاف اور عدل سے کام لیا جائے اور سب کی ضرورتوں کو مدنظر رکھا جائے۔ مثال کے طور پر ایک مکان ہے اور اُس کو چاہنے والے دس آدمی ہیں اور ہر ایک یہی چاہتا ہے کہ وہ مکان اُسے مل جائے اور اُسے دوسروں کی ضرورت کا کوئی احساس اور پاس نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں انسان میں ایک اور جذبہ ہے اور وہ یہ کہ میں کسی سے مغلوب ہو کر اور دب کر نہ رہوں بلکہ سب سے بلند و بالا ہو کر رہوں۔ ان حالات میں ایک انسان حیران و ششدر رہ جاتا ہے اور وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پاتا کہ کسی کی عقل کو معیار بنایا جائے۔ لیکن قرآنِ حکیم نے بتایا کہ کون سی عقل معیار ہے۔ فرمایا:

اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ۔ "مگر وہ شخص جو عقلِ سلیم رکھتا ہو۔"

معلوم ہُوا کہ ہر عقل معیار نہیں بلکہ صرف وہ عقل معیار ہے جو سلیم اور تندرست ہو۔ اور تندرست اور سلیم کا مطلب یہ ہے کہ نفسانی خواہشوں سے منزّہ اور پاک ہو۔ اور وہ عقل انبیاء علیہم السّلام کی عقل ہوتی ہے جس کو مقامِ عصمت حاصل ہے۔

پانچویں چیز اس سلسلہ میں یہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ عقل کی حیثیت ایک ایسے جج کی ہے جو گواہوں کی شہادتوں پر اپنا فیصلہ صادر کرتا ہے۔ گواہ اگر سچّے اور غلطی نہ کرنے والے ہیں تو جج کا فیصلہ بھی صحیح ہوگا، لیکن اگر گواہوں نے اپنی گواہی میں غلطی کر دی تو جج کبھی بھی اپنا فیصلہ صحیح نہیں دے سکتا، خواہ وہ کتنا ہی ایماندار اور قابل جج کیوں نہ ہو۔ عقل جس کی حیثیت جج کی ہے، حواسِ خمسہ نے اگر صحیح گواہی دی تو عقل (اگر وہ سلیم ہے) تو اپنا صحیح فیصلہ دے گی۔ لیکن اگر حواسِ خمسہ کے بیانات ہی غلط ہوئے تو عقل کس طرح اپنا فیصلہ صحیح دے سکتی ہے۔ اور حواسِ خمسہ کے متعلق ہم واضح کر چکے ہیں کہ وہ اپنی دریافت میں غلطی بھی کر جاتے ہیں جیسے بیماری میں قوتِ ذائقہ میٹھی چیز کو بھی کڑوا سمجھتی ہے، اور اُس کے کڑوا سمجھنے پر عقل اُس کے کڑوا ہی ہونے کا فیصلہ دیتی ہے۔ بعض دفعہ قوتِ باصرہ ریت کو پانی تصور کرنے لگتی ہے اور عقل ریت کے متعلق پانی کا حکم لگا دیتی ہے۔ اور ایک لق و دق بیابان میں ایک پیاسے کو پانی کے لیے مزید سفر کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ بعض دفعہ قوتِ سامعہ توپ کی آواز کو شیر کی چنگھاڑ سمجھتی ہے اور ایک مطمئن انسان کو شیر کا خوف دلا کر بھاگنے پر مجبور کرتی ہے۔ ایسا ہی دوسرے حواس کا حال ہے۔ جب ان حواسِ خمسہ کے بیانات غلط ہو سکتے ہیں تو عقل کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فیصلہ بھی غلط ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اپنی عقل کو معیار بنا کر انبیاء علیہم السلام کی لائی ہوئی شریعتِ مطہرہ کے احکام کا انکار کرنا جہالت اور بیوقوفی ہے۔

علم کے مراتب | بہرحال عقل کے متعلق یہ بحث جملہ معترضہ کے طور پر درمیان میں آگئی۔ بیان علم انسانی کے ماخذوں کا ہو رہا تھا کہ علم کو حاصل کرنے کے لیے کون کون سے ماخذ ہیں۔ چنانچہ وہ علم جو کسی واسطہ کے بغیر انسان کو حاصل ہوتا ہے، اس میں عقل کا مقام دوسرا ہے۔ علم انسانی کے ماخذ کی جو قسمیں اوپر بیان کی گئی ہیں، ان کے مختلف مراتب ہیں اور ہر ماخذ سے حاصل شدہ علم کا درجہ الگ الگ ہے۔ سب سے زیادہ یقینی علم وجدان اور فطرت کا حاصل شدہ علم ہے۔ چنانچہ ہم کو جو بھوک لگتی ہے اس میں آج تک کبھی کبھی کسی متنفس نے غلطی نہیں کی۔ شیر نے کبھی یہ غلطی نہیں کی کہ وہ گوشت چھوڑ کر گھاس کی طرف لپکے اور گائے سے کبھی یہ بات سرزد نہیں ہوئی کہ وہ گھاس چھوڑ کر گوشت کی طرف منہ بڑھائے۔ بلکہ ہر ایک اپنی فطرت کے تقاضا کے مطابق کھاتا ہے اور اس سے حاصل شدہ علم یقینی اور قطعی ہوتا ہے۔

وجدانیات اور فطریات کے بعد محسوسات کا درجہ ہے اور محسوسات کے بعد بدیہیات اولیہ کا مقام ہے۔ بدیہیات اولیہ سے حاصل شدہ علم میں بھی قطعیت ہوتی ہے۔ دو اور دو چار ہی ہوتے ہیں پانچ کبھی نہیں ہو سکتے۔

وجدانیات، فطریات، محسوسات اور بدیہیات اولیہ کے بعد معقولیات کا مقام ہے۔ اس میں ہر شخص کا علم اُس کی عقل کی کمی بیشی کی مناسبت سے ہوتا ہے۔ جتنی کسی میں عقل کم ہوگی اتنا ہی اُس کا علم کم یقینی ہوگا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اِس علم کے بارہ میں مختلف لوگوں کا اختلاف ہے۔ ایک گنوار اپنی عقل کے لحاظ سے جس چیز کو صحیح سمجھتا ہے، بُو علی سینا اور ارسطو جیسے فلسفی اُس کو صحیح نہیں سمجھتے، لیکن اپنی غلطی سے دست بردار ہونے کو کوئی بھی تیار نہیں بلکہ ہر ایک اپنی عقل پر نازاں ہے اور دوسرے کو غلط کہنے کے درپے ہوتا ہے۔

اگرچہ حصولِ علم کے یہ پانچ ذرائع ہیں، لیکن ایک لحاظ سے یہ مادّی علم کی ایک ہی قسم ہے کیونکہ علم کے یہ پانچوں ذرائع مادی ہیں اور انسان کے اندرون ہی سے متعلق ہیں، لہٰذا ان کی پرواز بھی مادہ یا آج کل کی اصطلاح میں عالمِ طبیعیات (PHYSICS) تک ہے ماوراء الطبیعیات (META-PHYSICS) تک ان کی رسائی نہیں۔ مثال کے طور پر وجدان انسان کے اندرونی حواس کا نتیجہ ہے۔ فطرت کا علم خود

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خالقِ فطرت اللہ رب العزت نے انسان کے اندر ودیعت کیا ہُوا ہے۔ محسوسات کا علم انسان کے حواسِ خمسہ کا نتیجہ ہے۔ بدیہیات اوّلیہ انسان کے حواس اور ذہن کا ایک مشترک فیصلہ ہیں اور معقولات انسان کے عقل و ذہن کی قیاس آرائی ہے۔ غرضیکہ ان پانچوں ذرائع علم کا اگر تجزیہ کیا جائے تو نتیجہ چلتا ہے کہ ان کی رسائی اس مادّی دنیا ہی تک ہے۔ غیر مادّی دنیا جس کو علمی اصطلاح میں ماوراء الطبیعیات کہا جاتا ہے، اس تک ان کی کوئی رسائی نہیں۔

غیر مادّی علم اس مادّی علم کے بعد اس علم کا مقام ہے جس کا تعلق غیر مادّی دنیا سے ہے۔ اس علم کا تعلق مادّہ سے اتنا بھی نہیں جتنا معقولات و ذہنیات کا ہے۔ ہاں اس کا تعلق صرف اس قدر ہے کہ وہ اوپر سے آکر مادّی دل و دماغ پر اپنا عکس ڈالتا ہے۔

مادّی علم کی طرح اِس غیر مادّی علم کے بھی پانچ درجے ہیں۔ فراستؔ، حدسؔ، کشفؔ، الہامؔ اور وحیؔ۔ اور جس طرح مادّی علم کے مندرجۂ الصدر پانچ درجات کا تعلق انسان کے جسمانی قویٰ سے ہے، اسی طرح غیر مادی درجات کا تعلق انسان کے روحانی قویٰ سے ہے۔ اور جس طرح وجدانیات سے عقلیات تک ہمارا ذریعۂ علم مادّی ترقی کرتا ہوا برائے نام غیر مادّی تک چلا گیا ہے اسی طرح اس غیر مادّی علم کے درجات بھی روحانی سے بلند ترین روحانی مقام تک ترقی کرتے چلے گئے ہیں جس کی تفصیل کو یہاں غیر ضروری سمجھتے ہوئے بیان نہیں کیا جا رہا۔

۱۔ کشف اس غیر مادّی علم کے پہلے دو درجات فراستؔ اور حدسؔ کو اپنے موضوع سے غیر ضروری سمجھتے ہوتے ہم اس وقت نظر انداز کرتے ہیں اور یہاں ہم علم کے دوسرے تین درجات کشفؔ، الہامؔ اور وحیؔ سے بحث کرتے ہیں، کیونکہ انہی تین درجات کا تعلق ہمارے موضوع سے ہے۔

کشف کے لفظی معنی ہیں "کھولنا"۔ چنانچہ عربی زبان میں کہتے ہیں "کَشَفَ اللّٰہُ غَمَّہٗ"، اللہ تعالیٰ نے اس کے غم کو کھول دیا یعنی زائل کر دیا۔ اور قرآنِ حکیم میں آتا ہے:

وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗٓ اِلَّا ھُوَ

کشف کے معنی "پردہ اٹھانے" کے بھی آتے ہیں۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

فَکَشَفْنَا عَنْکَ غِطَآءَکَ فَبَصَرُکَ الْیَوْمَ حَدِیْدٌ۔

لیکن اصطلاح میں اس کے معنی ہیں کہ مادیت کے تاریک پردے کو چاک کر کے مادّی چیز کا روحانی عالم میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مشاہدہ ہوجاتا کبھی اصلی صورت میں اور کبھی مثالی صورت میں، چنانچہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام یا بزرگانِ دین کی نگاہ جسم و قلب کے درمیانی حجابات کو چیرتی ہوئی دوسرے کے قلب کی اتھاہ گہرائیوں میں چھپی ہوئی بات کو جان جاتی ہے، اور وہ اس کی اندرونی کیفیات بغیر اُس کے بتائے خود بخود جان جاتے ہیں۔

کشف صرف انبیاء علیہم السلام اور بزرگانِ دین ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ بعض دفعہ کفار کو بھی کشف ہوجاتا ہے۔ چنانچہ احادیث نبویہ سے مستنبط ہوتا ہے کہ دجال کو بھی کشف ہوگا اور وہ بھی کشف سے کئی باتوں کو معلوم کرلے گا۔ چنانچہ ایک مرتبہ حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ سے کسی نے استفسار کیا کہ "حضرت! کشف کسبی ہے یا وہبی"؟ آپ نے فرمایا کہ اس کی شریعت میں کوئی حیثیت نہیں"۔ بزرگانِ دین کا کشف ان کے اپنے لیے تو حجت ہوسکتا ہے بشرطیکہ وہ احکام شریعت کے خلاف نہ ہو، لیکن دوسروں کے لیے اُن کا کشف حجت نہیں ہوسکتا۔ اس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔ تفصیل درکار ہو تو عارف ربّانی حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کے مکتوبات کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔

۲۔ الہام | غیر مادّی علم کی دوسری قسم "الہام" ہے۔ الہام کے معنی ہیں "القاء الشئی فی الروح" یعنی دل میں کسی بات کے ڈالنے اور پردہ اُٹھانے کے ہیں۔ اس سے مُراد وہ علم ہے جو غور و فکر اور ترتیبِ مقدمات کے بغیر دل میں ڈالا جاتا ہے لیکن یہ علم کہاں سے آتا ہے اور اس کا مبدأ کیا ہے؟ اس کے جوابات مختلف ہیں۔ امام راغبؒ کے بقول یہ علم اللہ تعالیٰ یا ملاءِ اعلیٰ کی طرف سے آتا ہے لیکن آتا ہے اور ضرور آتا ہے اور بغیر کسی ظاہری اور مادّی اسباب کے آتا ہے۔ اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ خود قرآن حکیم میں ہے:

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا۔ پھر الہام سے اُسے اس کی بدکاری اور اُس کے تقویٰ کے راستے بتادیئے۔

اس کی ابتدائی اور معمولی مثالیں وہ خیالات ہیں جن پر عمل پیرا ہوکر مُوجدین حضرات دنیا کے سامنے نئی نئی ایجادات عمل میں لاتے ہیں۔

الہام اولیاء کرام اور انبیاء علیہم السلام دونوں کو ہوتا ہے لیکن ان دونوں کے الہامات میں اتنا ہی فرق ہوتا ہے جتنا خود نبی اور ولی میں ہوتا ہے۔ چنانچہ حافظ توربشتی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ:

"الہامِ اولیاءؒ اور الہامِ انبیاءؑ میں تین فرق ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا الہام قطعی اور یقینی ہوتا ہے لیکن اولیاء کے الہام کو یہ مرتبہ حاصل نہیں۔ نیز انبیاء علیہم السلام چونکہ خود خطاء اور غلطی سے معصوم ہوتے ہیں لہٰذا اُن کا الہام بھی معصوم عن الخطا ہوتا ہے لیکن اس کے برعکس اولیاء خطاء سے معصوم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں ہوتے اس وجہ سے ان کا الہام بھی یقینی اور قطعی نہیں ہوتا بلکہ ظنی ہوتا ہے اور اس میں ہر وقت غلطی کا امکان رہتا ہے۔" (المعتمد ص)

عارفِ ربّانی حضرت مجدّد الفِ ثانی قدس سرّہ اس فرق کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں :-

"الہام کہ اولیاء راہست مقتبس از انوارِ نبوت است واز برکات وفیوضِ متابعت انبیاء است علیہم السّلام والتسلیمات۔" (مکتوبات جلد ۳ ص ۴۱)

یعنی وہ الہام جو کہ اولیاء کو ہوتا ہے وہ انوارِ نبوت سے ماخوذ اور اقتباس شدہ ہوتا ہے اور انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والتسلیمات ہی کی پیروی اور تابعداری کے فیوض و برکات کا نتیجہ ہوتا ہے۔

۳۔ وحی | غیر مادّی علم کی سب سے آخری قسم "وحی" ہے۔ وحی کے معنی تو اپنے لبوں کو ہلائے بغیر مخفی طور پر اپنے دلی منشاء کو دوسرے پر ظاہر کر دینا ہے۔ لیکن شریعتِ اسلامیہ میں اللہ تعالیٰ کا اپنے خاص بندوں کو مخفی ذریعہ سے اطلاع دینا ہے۔ یہ قسم غیر مادّی علم کی آخری قسم ہے۔ روحانی ذرائع علم میں کشف، الہام اور سب سے آخر میں وحی کا مقام ہے۔ اور ان تینوں ذرائع کا علم انبیاء علیہم السلام کے لیے یقینی ہے۔

قرآن حکیم میں ان ذرائع علم کو اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے :-

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۔ (شوریٰ)

"اور کسی بشر کی یہ تاب نہیں کہ اللہ تعالیٰ اُس سے بات کرے، لیکن وحی (اشارہ) سے یا پردہ کے پیچھے سے، یا کسی رسول (فرشتہ) کو بھیجے، تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے، جو وہ (خدا) چاہے، اُس کو وحی کر دیتا ہے۔ بیشک حق تعالیٰ بلند اور حکمت والا ہے۔

اِس آیت میں اشارہ سے بات کرنا "کشف"، اور پردے کے پیچھے سے بات کرنا "الہام" اور فرشتہ کی معرفت بات کرنا "وحی" ہے۔

اور آخر میں "عَلِيٌّ حَكِيْمٌ" فرما کر اس بات کی طرف اشارہ فرما دیا کہ اُس کی بلندی اور علوِّ مرتبت کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ کسی ممکن الوجود کو اپنی مکالمت و مخاطبت سے نوازے، لیکن اس کی صفت چونکہ "حکیم" بھی ہے لہٰذا اس کا اقتضاء یہ ہے کہ وہ اپنی مخلوق کی ہدایت کے لیے اپنے خاص بندوں یعنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انبیاء علیہم السلام سے اِن تین طریقوں میں سے جس طریقہ سے چاہے مخاطبت و مکالمت فرمائے۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ کشف و الہام تو نبی اور غیر نبی دونوں میں مشترک ہے، لیکن وحی صرف انبیاء علیہم السلام کے لیے مخصوص ہے۔ نبی اور غیر نبی کے کشف و الہام میں یہ فرق ہے کہ غیر نبی کا کشف اور الہام ظنّی اور غیر یقینی ہوتے ہیں۔ ان میں ہر لحظہ غلطی کا امکان ہوتا ہے لیکن انبیاء علیہم السلام کو اپنے کشف، الہام اور وحی پر ایسا ہی یقین ہوتا ہے جیسا کہ ایک عام انسان کو اپنے وجدانیات، محسوسات، فطریات اور بدیہیات پر، بلکہ ان سے بھی زیادہ یقینی اور قطعی۔

نبی کو جو علم "وحی" کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے اُس علم کو نبی یا تو انہی الفاظ سے لوگوں پر ظاہر کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتہ نبی کے قلب پر ظاہر کرتا ہے یا نبی اُس علم کو اپنے الفاظ میں لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہے۔ یہ علم نبی کے "ملکۂ نبوت" یا "فہمِ نبوت" کا نتیجہ ہوتا ہے۔ قسم اوّل کو "قرآن" اور قسم ثانی کو "حدیث" کہتے ہیں۔ اصول کی کتابوں میں اوّل الذکر وحی کو "وحی متلو" اور ثانی الذکر کو "وحی غیر متلو" کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ گویا کہ اُن کے نزدیک "کتاب" اُس وحی کا نام ہے جس کی باقاعدہ تلاوت کی جاتی ہے اور "حدیث" اُس وحی کو کہتے ہیں جس کی باقاعدہ تلاوت تو نہیں کی جاتی مگر اس کے ذریعے سے جو احکام ملتے ہیں وہ شریعت میں بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔

© rasailojaraid.com